اسلام سے خوف کے رجحانات کا ایک جائزہ

نائن الیون کے بعد سے مغربی عوام کے رویے

باسیم الاتم

خلاصہ

[اس مضمون میں ۲۰۰۱ء سے لے کر اب تک مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے مغربی عوام کے رویّوں میں آنے والی تبدیلیوں پر نگاہ ڈال کر اسلام سے خوف کے رجحانات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے، اور ساتھ ہی ان عوامل کا بھی جو ایسی تبدیلیوں کا محرک بنتے رہے ہیں۔ اس میں معاصر عوامی آراء کے حوالے سے ان بنیادی معلومات کے تجزیے کے لیے معیاری اور مقداری دونوں حکمت عملیاں اختیار کی گئی ہیں، جو کہ ان اداروں سے مستعار لی گئی ہیں: اینگس ریڈ گلوبل، یورپین مانیٹرنگ سنٹر آن ریسزم اینڈ زینوفوبیا، دی نیشنل ایسوسی ایشن آف مسلم پولیس اور دی عرب امریکن انسٹی ٹیوٹ۔ علاوہ ازیں اس میں ذرائع ابلاغ سے ملنے والی ان معاصر اطلاعات کا بھی تجزیہ کیا گیا ہے، جن میں نائن الیون کے بعد اسلام سے خوف کے اسی طرح کے رجحانات کا تفصیلی جائزہ لیا گیا ہے۔]

اس مطالعہ کے نتائج ظاہر کرتے ہیں کہ مسلمانوں اور اسلامی اداروں کے حوالے سے اسلام خوفی (اسلاموفوبیا) کے رجحان میں انتہائی ڈرامائی طور پر اضافہ نائن الیون کے فوراً بعد برطانیہ کے اندر دیکھنے میں آیا، ایک ایسے مشترک موضوع کے ساتھ جو خود کو ملکی سطح کی ان بے شمار رپورٹوں اور

عوامی رائے شماری کے حوالے سے ان بنیادی معلومات کے اندر عیاں کرتا ہے، جن کا اس تحقیق میں جائزہ لیا گیا ہے، یعنی ایسے عوامل کے اثرات جیسے اسلامی طرز کا لباس، جو کہ اسلاموفوبیا کا محرک بننے کے حوالے سے مسلم اور غیر مسلم کے درمیان عمومی طور پر امتیاز کا سبب بنتا ہے۔ علاوہ ازیں نتائج سے ظاہر ہوتا ہے کہ بجائے اس کے کہ ان میں وقت گزرنے کے ساتھ کمی آئی ہو، جیسا کہ شروع میں مفروضہ طور پر خیال کیا گیا تھا، اسلاموفوبیا کے رجحان میں فی الحال اضافہ دیکھا جا رہا ہے۔

تصوراتی ماخذ اور اصطلاحات کا جواز

''اسلاموفوبیا'' کے تصوراتی ماخذ وہ ہیں جنہیں محققین کے درمیان اس کی اصطلاحات کے جواز کے طور پر زیر بحث لایا گیا ہے۔ بہت سے محققین اس اصطلاح کے اوّلین استعمال کو اسلام قبول کرنے والے ایک فرانسیسی مسلمان اور مستشرق (مشرقی علوم کے ماہر) مصوّر الفانسے ایٹینے ڈائنیٹ (Alphanse Etienne Dinet) سے منسوب کرتے ہیں، جس نے اسے اپنی کتاب ''دی لائف آف محمد ﷺ، دی پرافٹ آف اللہ''، اشاعت ۱۹۱۸ء میں استعمال کیا تھا (۲۰۰۹ء، صفحہ ۳)۔ تاہم اس اصطلاح کے حالیہ استعمال کا ناطہ ایڈورڈ سعید کے مضمون ''اورینٹل ازم ری کنسیڈرڈ'' (۱۹۸۵ء، صفحہ ۹۹) سے جوڑا جاتا ہے۔ تاہم اس کے استعمال کے جواز کے حوالے سے تمام محققین میں اتفاقِ رائے کا فقدان پایا جاتا ہے، جو اسے ایک ایسا وسیلہ سمجھتے ہیں جس کی بدولت اسلام پر کسی یا ہر قسم کی تنقید کا راستہ روکا جا سکتا ہے۔ مثال کے طور پر راجر (۲۰۰۶ء) یوں رقم طراز ہوتا ہے: ''اسلاموفوبیا'' ایک بے محل یا ناموزوں اصطلاح ہے۔ فوبیا (phobia) ایک غیر عقلی یا بے جا قسم کے خوف کو کہتے ہیں اور یہ بدیہی یا تسلیم شدہ امر ہے کہ اساسی تصورات پر مبنی اسلام کے اثرات کا خوف کوئی بے جا قسم کا خوف نہیں ہے، بلکہ اس کے برعکس اس کی بلاشبہ بہت موزوں وجوہات پائی جاتی ہیں، لہٰذا اگر آپ ایک معقول یا جواز پر مبنی اسلاموفوبیا کی بات کرنا چاہتے ہیں تو پھر ہمیں اس کی بجائے اسلاموفوبیا کا خوف کہنا پڑے گا، یعنی اسلام خوفی کے حوالے سے پیدا ہونے والا خوف یا شدید منفی ردِّعمل'' (صفحہ ۴)۔

اسی طرح پال (۲۰۱۱ء) اس امر کو موضوع بحث لاتا ہے کہ کس طرح ''['اسلاموفوبیا' کی اصطلاح] جہادی اسلام پسندوں کے زیر استعمال بھی آسکتی ہے، تاکہ تشدد کے ان خدشات یا اصل کارروائیوں کے حوالے سے، جو کہ جہادی نظریات کے باعث فروغ پا رہی ہیں، حقیقی یا جائز تنقید کا راستہ بند کر دیا جائے'' (صفحہ ۱۱)۔ ناول نگار سلمان رشدی (۲۰۰۹ء) نے بھی اس اصطلاح کے استعمال کی بدولت ''اسلاموفوبیا'' کو ایک ایسے ذلت آمیز تصور کی علامت بنا دیے جانے کے عمل کو تنقید کا نشانہ بنایا ہے جو اسلام کی بطور ایک مذہب تنقید کو ان لوگوں کو بدنام کرنے کے عمل کے ساتھ گڈمڈ کر دیتا ہے، جو اس میں یقین رکھتے ہیں'' (صفحہ ۱۰۴)۔ تاہم اس تصوراتی ماخذ اور اصطلاح کے جواز کے حوالے سے پیش کیے جانے والے دلائل سے قطع نظر، اسلاموفوبیا، بلاشبہ، حالیہ برسوں، یعنی نائن الیون کے بعد ایک زیادہ نمایاں تصور بن کر اُبھر رہا ہے۔ اس مضمون کا مقصد یہ ہے کہ ۲۰۰۱ء کے وقت سے لے کر اب تک مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے مغربی عوام کے رویوں میں آنے والی تبدیلیوں پر نگاہ ڈال کر اسلام سے خوف کے رجحانات کا تنقیدی جائزہ لیا جائے، اور ساتھ ہی ان عوامل کا بھی جو ایسی تبدیلیوں کا محرک رہے ہیں۔

اسلام سے خوف کا رجحان: نائن الیون کے بعد کی دنیا کا تناظر

کرٹیس (Curtis) چہارم (۲۰۰۹ء) Muslims in America: A short History، میں مسلمان اور غیر مسلمان امریکیوں کے درمیان نائن الیون کے فوری بعد کے تعلقات کی نوعیت پر کافی تفصیل سے روشنی ڈالتا ہے۔ یہ مثالیں اس تحقیق کے لیے مناسب سیاق وسباق کا کام کرتی ہیں، نہ صرف اس لیے کہ ان میں اسلام سے خوف کے عنصر کو اجاگر کیا گیا ہے، بلکہ نائن الیون اور خود اسلاموفوبیا کے حوالے سے مسلمان امریکیوں کے ردِعمل کو بھی۔ مصنف اس وضاحت کا آغاز ایک ایسی صورتِ حال کو موضوعِ بحث لا کر کرتا ہے، جو کہ اس کے دو عدد ہمسایوں میں سے ایک کو درپیش تھی، جن میں سے ایک بپتسمہ کرنے والا (baptist) (عیسائی) مبلغ تھا، جس کا ایک بیٹا عراق کی

جنگ میں کام آچکا تھا، اور دوسرا ایک مقامی چرچ کا رہنما، دی ریوڈاکٹر ہنری جرنر (۲۰۰۹ء، صفحات ix-x)۔ کرٹس کے ہمسائے نے انڈیانا پولیس انٹرنیشنل ایئرپورٹ کی اس تجویز کی مخالفت کی تھی جس کے تحت ہوائی اڈے پر مسلمان ٹیکسی ڈرائیوروں کی سہولت کے لیے وضو کے مراکز قائم کرنے کی اجازت دی جانی تھی (۲۰۰۹ء، صفحہ ix)۔ اس کے حق میں پیش کیے جانے والے دلائل، ان رویّوں سے قطع نظر جو کہ مذہبی آزادی اور رواداری کے نظریات کے عکاس تھے، خاطر خواہ حد تک عملی اہمیت کے حامل تھے: (۱) وضو کے مراکز صفائی کے نقطہ نظر سے زیادہ موزوں تھے، کیونکہ ٹیکسی ڈرائیور اکثر اوقات اس سہولت کے فقدان کے نتیجے میں وضو کے لیے ایئرپورٹ سے باہر پانی کی پلاسٹک کی بوتلیں استعمال کرتے تھے اور (۲) ''اس مقصد کے لیے رقم ہوائی کمپنی کی آمدنی میں سے مختص کی جانی تھی، نہ کہ محصولات عائد کر کے'' (۲۰۰۹ء، صفحہ ix)۔ اس کے بعد جو واقعہ رونما ہوا وہ ''شہریوں'' کی طرف سے مظاہرے کی شکل میں سامنے آیا، جس کا انتظام مصنف کے ہمسائے نے کیا تھا اور اس کے علاوہ ایک جوابی احتجاجی مظاہرہ جرنر کی طرف سے (۲۰۰۹ء، صفحہ x)۔ کرٹس کے مطابق ''[جرنر] نے اپنے ہاتھوں میں ایک علامت تھام لی اور مبلغ کے چرچ کے باہر کھڑا ہو گیا۔ چرچ جانے والے ایک شخص نے جرنر کے ہاتھوں سے یہ نشان چھیننے کی کوشش کی، مگر جرنر نے اسے مضبوطی سے تھامے رکھا۔ اب جیسے ہی دونوں میں دست بدست کشمکش بڑھنے لگی تو اس کے نتیجے میں جرنر نیچے زمین پر گر گیا.....'' (۲۰۰۹ء، صفحہ x)۔ یہ واقعہ اپنی اہمیت کے اعتبار سے بپتسمہ کرنے والے عیسائی مبلغ کے نزدیک وضو کے مراکز کی مخالفت کے پس پردہ دلیل تھا۔ مبلغ کے مطابق اس تجویز پر عمل کا مطلب ''دشمن کے ساتھ بھائی چارہ'' کرنا تھا (۲۰۰۹ء، صفحات ix-x)۔ کرٹس مزید رقم طراز ہوتا ہے، ''[مبلغ نے] وضو کے لیے سنکے (Sinlos) نصب کرنے کی مخالفت اس لیے کی تھی کہ یہ اسلام کے 'مطلوبہ ہدف یا تصور کی تکمیل کی طرف پہلا قدم تھا، یعنی پوری کی پوری دنیا کو شریعت کے قوانین کے تحت ایک ہی اسلامی خلافت کے تابع کر دینا'' (۲۰۰۹ء، صفحہ x)۔ یہ کرٹس کی طرف سے اس امر کی وضاحت کے لیے فراہم کی جانے والی بہت سی مثالوں میں سے ایک تھی کہ نائن الیون کے فوراً بعد غیر مسلموں اور

مسلمانوں کے درمیان عداوت کہاں تک پہنچ چکی تھی۔ دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ واضح طور پر تنازع میں ملوّث فریقین میں سے کوئی بھی مسلمان نہیں تھا، مگر اس کے باوجود اس تنازع کی جڑ اسلاموفوبیا میں پیوست تھی، اس مثال میں ایک بپتسمہ انجام دینے والے مبلّغ کا اسلام کا خوف اور اسی کا متصور کردہ اسلام کا ''مطلوبہ ہدف'' (۲۰۰۹ء، صفحہ x)۔

کرٹس اس نکتے کو بھی واضح کر دیتا ہے کہ اسلام کا خوف محض بالغ افراد تک محدود نہیں رہا۔ مثال کے طور پر، وہ یہ واقعہ بھی زیر بحث لے آتا ہے کہ بعض مسلمان اسکاؤٹ لڑکوں کو قومی سطح کے ایک اجلاس میں امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ وہ لکھتا ہے کہ ''۲۰۰۵ء میں ہونے والے قومی اسکاؤٹ میلے میں..... تمام غیر مسلم اسکاؤٹ لڑکے مسلمان اسکاؤٹ لڑکوں کو اپنے مساوی گردانے پر رضامند نہیں تھے۔ جب شاذیمانی نامی ایک لڑکا اس عظیم اجتماع میں گولی سے نشانہ لگانے والے مقام پر اپنی باری کا منتظر تھا تو ایک سفید فام لڑکے نے اسے چھیڑتے ہوئے کہا تھا کہ، ''کیا ہو رہا ہے، جہاد؟'' اور ایک مسلمان اسکاؤٹ کو اس کے کسی ہم جماعت نے ''صدام'' کا خطاب دے ڈالا'' (۲۰۰۹ء، صفحہ ۱۱۰)۔

کرٹس نہ صرف اسلام کے خوف کی مثالیں پیش کرتا ہے بلکہ نائن الیون کے المناک حادثے پر مسلمان امریکیوں کے ردّعمل کی مثالیں بھی فراہم کرتا ہے۔ وہ ان کے ردّعمل کی مثالیں تحریر کرتے ہوئے بتاتا ہے:

امریکی لوگوں، بشمول امریکی مسلمانوں، کے لیے یہ حملے خوف اور عدمِ تحفظ کی فضا میں قومی یکجہتی کے جذبات کے استحکام کا سبب بن گئے۔ مثال کے طور پر حملوں کے بعد بعض مسلمانوں نے واشنگٹن ڈی۔سی میں مسلم کونسل سنٹر کی مسجد کے باہر پھول اور تعزیتی پیغامات کے کارڈ رکھے، جہاں پر عمارت کے داخلی راستے پر ایک بہت بڑا امریکی پرچم سرنگوں تھا۔ پیٹرسن، نیوجرسی میں مسلمانوں نے ایک اہم شاہراہ پر اس تحریر کا بینر لٹکا دیا کہ ''مسلمان دہشت گردی کی ہرگز حمایت نہیں کرتے''۔

پورے ملک میں مسجدوں اور اسلامی مراکز پر امریکی پرچم لہرا دیے گئے، اور غیر مسلموں کے لیے دروازے وا کر دیے گئے۔ مسلمان اپنے غیر مسلمان ہمسایوں کو اسلام کی تعلیمات سے آگاہ کرنے کے خواہشمند ہو گئے اور عوام کو اس امر کی یقین دہانی کے خواہاں بھی کہ وہ امریکی ریاست کے وفادار اور امریکی خواب یا تصوّر سے محبت کرتے تھے۔ بہت سے امریکیوں نے زندگی میں پہلی مرتبہ مسجد میں قدم رکھا، اکثر اوقات اسلام کے حوالے سے ہونے والے ان معلوماتی مذاکروں میں شرکت کے لیے جن میں کہ مسلمان رہنماؤں کی طرف سے اس امر کی وضاحت کی جاتی تھی کہ اسلام ایک پُر امن مذہب ہے اور یہ کہ اس میں دہشت گردی کے لیے کوئی گنجائش یا معافی نہیں ہے (۲۰۰۹ء، صفحات ۹۷-۹۸)۔

بلاشبہ یہ نکتہ غور کرنے کے قابل ہے کہ اگرچہ نائن الیون کے المناک واقعات نے تشدّد، امتیازی سلوک اور نفرت کو ہوا دینے والی کارروائیوں کی بدولت مسلمانوں کے خلاف منفی جذبات کو ہوا دینے، یعنی اسلام کا خوف طاری کر دینے میں اہم کردار ادا کیا، تاہم یہ غیر مسلمان اور مسلمان امریکیوں کے لیے متحد ہونے اور اس نسل پرستی کے خاتمے کے لیے ایک دوسرے کے نظریات سے زیادہ آگاہی حاصل کرنے کا ایک اہم وسیلہ بھی ثابت ہو گیا، جسے اسلاموفوبیا کہتے ہیں۔

ایلین (۲۰۱۰ء) نے نیشنل ایسوسی ایشن آف مسلم پولیس (NAMP) کے تعاون سے ایک تحقیقی جائزے کا اہتمام کیا، جس کا مقصد اسلام کے خوف کے حوالے سے کی جانے والی تازہ ترین تحقیق کے نتائج کی چھان بین کرنا تھا، تاکہ ایک سماجی حقیقت کے طور پر اس کے وجود کو زیادہ مؤثر طریقے سے ثابت کیا جا سکے۔ اس مقصد کے لیے بعض ایسی تحقیقات کے نتائج کو، جو کہ یورپین مانیٹرنگ سنٹر فار ریسزم اینڈ زینوفوبیا (EUMC)، دی کمیشن آن برٹش مسلمز اینڈ اسلاموفوبیا، دی اوپن سوسائٹی انسٹی ٹیوٹ، دی یورپین مسلم ریسرچ سنٹر اور دی یورپین یونین ایجنسی فار فنڈامینٹل رائٹس کی طرف سے ۲۰۰۲ء تا ۲۰۱۰ء کے دوران شائع کئے گئے تھے، زیرِ غور لایا گیا۔ رپورٹ کے

زیادہ تر نتائج سے اس امر کی تصدیق ہوتی ہے کہ نائن الیون کے واقعات اور بعد ازاں اسلاموفوبیا کی بڑھتی ہوئی لہر اور اس سے منسلک تشدّد اور امتیازی سلوک کے واقعات میں اضافے کے درمیان براہِ راست ربط پایا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ای یو ایم سی کی ۲۰۰۲ء کی رپورٹ کے حوالے سے اس
۹ میں بتایا گیا ہے کہ ''یورپین یونین کے تمام ممالک میں منعقد کرائی گئی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء (نائن الیون) کے واقعات کے بعد مسلمان اور دوسرے غیر محفوظ طبقات بڑھتی ہوئی مخاصمت کی لپیٹ میں آ چکے تھے'' (۲۰۱۰ء، صفحہ ۵)۔ تاہم دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ کمیشن فار ریشل اکوئیلیٹی (CRE) کی طرف سے تیار کردہ ایک رپورٹ کا حوالہ دیتے ہوئے یہ بتایا گیا کہ ''مسلم مخالف جذبات کا آتشیں لاوا پھٹ پڑنے کے پس پردہ بہت سے عوامل کام کر رہے ہیں، اور اس لاوے نے بہت سی شکلیں اختیار کر لی ہیں، ان قضیوں (premises) یا مفروضوں کی بنیاد پر جو نائن الیون کے واقعات سے قبل بھی وجود رکھتے تھے اور نتیجے کے طور پر ان کے مزید مستحکم ہونے کے امکانات بھی زور پکڑ گئے'' (۲۰۱۰ء، صفحہ ۷)۔ تاہم رپورٹ میں ایک موزوں ثبوت کے ساتھ جو نتیجہ اخذ کیا گیا ہے، وہ اس نظریے کو استحکام عطا کرتا ہے کہ اسلام کا خوف ایک سماجی مظہر کے طور پر پہلے سے موجود تھا۔ اس کا اختتام ان سفارشات کے ساتھ کیا گیا ہے کہ نہ صرف مسلمان آبادی کے اندر موجود عدم مساوات کو بلکہ پورے معاشرے میں موجود ناہمواریوں کا خاتمہ کر دیا جائے، اور اس کے ساتھ ہی اسلاموفوبیا کے حوالے سے وسیع تر تحقیقات منعقد کی جائیں تاکہ اس پر قابو پانے کے لیے مؤثر اقدامات کیے جا سکیں۔

سیّد (۲۰۱۴ء) اسلاموفوبیا کی اصطلاح کے اس معاصرانہ استعمال کو زیرِ بحث لانے سے قبل، جسے کہ رنی میڈ (Runnymede) ٹرسٹ کی ۱۹۹۷ء کی اس رپورٹ کی بدولت قبولیت عطا ہوئی تھی، جس میں ''اسلاموفوبیا'' کو ''اسلام کے حوالے سے بے بنیاد مخاصمت قرار دیا گیا تھا، اور یوں اکثر یا تمام مسلمانوں کے لیے ناپسندیدگی کے جذبات (۲۰۰۶ء، صفحہ ۱)''، اسلاموفوبیا کے استشقاقی (etymological) اسباب کا جائزہ مشرقی علوم کے حوالے سے لیتا ہے۔ مصنف بعد ازاں اس

کے سیاسی استعمال کے عنصر کو نمایاں کرتے ہوئے، اس اصطلاح کے حوالے سے پائے جانے والے اختلافات کا جائزہ لیتا ہے، سیّد آگے چل کر اسلاموفوبیا کو نسلی تعصب اور عمومی طور پر یہودیت مخالف دائروں کے اندر رکھ دیتا ہے، یہ دلیل دیتے ہوئے کہ ''اسلاموفوبیا کی اصطلاح ایجاد ہونے کے باعث تشدّد، قانون شکنی، امتیازی سلوک اور جبر کی بہت سی اور ایسی کارروائیوں کا تجزیہ کرنے میں مدد ملتی ہے جن کا ہدف مسلمان ہوتے ہیں'' (۲۰۱۴ء، صفحہ ۲۰)۔ فراسٹ (۲۰۰۸ء) نے اسلاموفوبیا اور برطانیہ میں ذرائع ابلاغ کی طرف سے مسلمانوں کی خاکہ کشی کے درمیان ربط پر تحقیق کی تھی۔ نتائج سے یہ ثابت ہوگیا کہ اس طرح کی خاکہ کشی اور برطانوی مسلمانوں کے خلاف تشدّد کے واقعات میں ربط پایا جاتا ہے۔ اس تحقیق کا اختتام اس تقاضے کے ساتھ کیا گیا تھا کہ معاشرے کے محروم و نظر انداز کیے جانے والے طبقات کو مزید شمولیت کی طرف راغب کیا جائے۔

لامبرٹ اور گتھنز۔ ماذر (Lambert and Githens-Mazer) نے (۲۰۱۰ء) میں برطانیہ کے اندر اسلاموفوبیا اور تشدّد و نفرت پر مبنی جرائم کی کارروائیوں کے درمیان ربط کا جائزہ لیا ہے۔ اُن کا مقصد یہ تھا کہ اس طرح کے عوامل یا محرکات، مثلاً لباس وغیرہ، کا جائزہ لیا جائے، جس کے ذریعے مسلمانوں کو عموماً شناخت کیا جاتا ہے، اس کے علاوہ اس طرح کی تنظیموں جیسے انگلش ڈیفنس لیگ (EDL) کا تشدّد کو ہوا دینے میں کردار اور غیر سیاسی حوالے سے متحد تنظیموں اور افراد کے کردار کو بھی مدِنظر رکھا جائے، جن پر ذرائع ابلاغ کی طرف سے مسلمانوں کی منفی روایتی خاکہ کشی کے اثرات نمایاں طور پر مرتب ہوئے ہیں (۲۰۱۰ء، صفحات ۳۱-۳۲)۔ اس تحقیق کے مقاصد کے لیے اہم جزو کے طور پر مصنفین نے نائن الیون کے واقعات اور انفرادی مسلمانوں اور اسلامی اداروں (مثلاً مسجد) دونوں کے خلاف تشدّد کی بڑھتی ہوئے کارروائیوں کے درمیان ربط کو اُجاگر کیا ہے۔ مصنفین یوں رقم طراز ہوتے ہیں: ''نائن الیون کے وقت سے برطانیہ میں مسلمانوں کو اس بناء پر بڑھتی ہوئی دھمکیوں اور تشدّد کی کارروائیوں کا نشانہ بنایا جاچکا ہے، کہ ان کے عقیدے یا سیاسی سرگرمی کو اکثر اوقات کینہ پروری اور غلط فہمی کے ساتھ دہشت گردی، انتہا پسندی اور تخریب کاری کے مماثل قرار دے دیا جاتا

ہے۔..... نائن الیون کے واقعے کے بعد سے آگ لگانے، مجرمانہ نقصان پہنچانے، تشدّد و دھمکیوں کے ان واقعات میں ڈرامائی اضافہ دیکھا جارہا ہے، جن کا ہدف مسجدیں، مسلمان ادارے اور مسلمان تنظیمیں ہوتی ہیں۔ بہت سے دور دراز یا الگ تھلگ مسلمان علاقوں میں بہت سی مسجدیں، خاص طور پر غیر محفوظ ہوچکی ہیں'' (۲۰۱۰ء، صفحہ ۳۲)۔ مصنفین ان سفارشات کے ساتھ اختتام کرتے ہیں کہ حکومتی سطح پر اسلاموفوبیا اور اس کے ردّعمل کے طور پر مسلمانوں اور اسلامی اداروں کے خلاف کی جانے والی دہشت گرد کارروائیوں اور امتیازی سلوک کے واقعات کی روک تھام کے لیے حکومتی سطح پر مزید اقدامات کرنے کے ساتھ ہی اسلاموفوبیا کے سدّ باب کے لیے عوامی سطح پر بھی زیادہ کوششیں کرنے اور عام لوگوں کو حکومت کے ساتھ تعاون پر آمادہ کرنے کی حکمت عملی اپنائی جائے، تاکہ اسلامی اداروں اور مسلمان آبادیوں کے ساتھ مجموعی طور پر مؤثر طریقے سے روابط استوار ہوسکیں اور مسلمانوں کے نمائندہ ادارے/ افراد بھی اس سارے عمل میں شریک ہوسکیں۔ ۹

۲۔ تحقیق کی حکمتِ عملی اور بنیادی معلومات

دلچسپی کا حامل نکتہ یہ ہے کہ اسلامی اداروں کے حوالے سے رائے عامہ سے ظاہر ہونے والے رویوں کے برعکس عوامی رائے کسی تغیّر کے بغیر عیسائی اداروں کے حق میں استوار ہوتی نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر، اینگس ریڈ گلوبل کے مطابق ''کیوبک (Qubec) کے ستر فیصد باشندے اسلام کے حوالے سے منفی نقطۂ نظر رکھتے ہیں، جبکہ عیسائیت کے حوالے سے مثبت رائے رکھتے ہیں'' (۲۰۱۳ء)۔ اسی طرح، دی نیشنل ایسوسی ایشن آف مسلم پولیس (۲۰۱۰ء) نے برٹش سوشل اپٹی چیوڈز سروے (یعنی برطانوی سماجی رویوں کا جائزہ) کے ایک دعویٰ کا حوالہ دیتے ہوئے کہا ہے کہ ''نصف سے زائد رائے دہندگان نے مایوسی کی انتہا کا مظاہرہ کرتے ہوئے بڑی مساجد کی تعمیر کی مخالفت کی، جبکہ اس کے برعکس ۱۵ فی صدی نے اسی ردّعمل کا مظاہرہ چرچ کے حوالے سے کیا'' (۲۰۱۰ء، صفحہ ۲۲)۔ تاہم ایک رجحان مستحکم نظر آتا ہے، اس امر کو نظر انداز کرتے ہوئے کہ آیا رائے عامہ سے ظاہر

ہونے والے رویّے اسلام کی نسبت عیسائیت کے حق میں جاتے نظر آتے ہیں یا نہیں، ان کی اکثریت زیادہ یا کم اسلام کے خوف کے عنصر کی حامل نظر آتی ہے۔ مثال کے طور پر ایک سروے یا رائے شماری، جو کہ نائن الیون کے تقریباً دس برس بعد ۶ ستمبر ۲۰۱۱ء کو کی گئی تھی، اس لباس کے حوالے سے ظاہر کیے جانے والے رویوں کی وضاحت کرتی ہے، جسے عموماً مسلمانوں کے حوالے سے شناخت کیا جاتا ہے۔ اس رائے شماری کے مطابق ''تقریباً آدھے امریکی، ایک بُرقع پوش عورت، رہائش گاہ کے قریب بنتی ہوئی کسی مسجد، یا ہوائی اڈے پر نماز پڑھتے ہوئے کسی مسلمان کو دیکھ کر پریشان ہو جاتے ہیں۔ اکتالیس فی صدی اس وقت پریشان ہو جاتے ہیں، جب ان کے علاقے میں ابتدائی تعلیم کے اسکول میں پڑھانے والا اُستاد مسلمان نکل آئے'' (۲۰۱۱ء)۔ بلاشبہ رائے عامہ کے حالیہ جائزوں سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اسلاموفوبیا کے ردِّعمل کے طور پر اپنائے گئے رویّوں میں کوئی کمی نہیں آئی۔ مثال کے طور پر ۲۰۱۳ء میں بی بی سی کے ایک جائزے کے تحت یہ نکتہ عیاں ہوا ہے کہ ''نوجوان برطانوی افراد کی چوتھائی سے زیادہ تعداد مسلمانوں پر اعتبار نہیں کرتی'' (۲۰۱۳ء)۔ ۲۰۰۶ء میں واشنگٹن پوسٹ-اے بی سی نیوز کے تحت رائے عامہ کے ایک جائزے سے یہ ظاہر ہوا ہے کہ ''[۴۶ فی صدی امریکی] اسلام کے حوالے سے غیر موافق رویّے رکھتے تھے، جبکہ جنوری ۲۰۰۲ء میں یہی تناسب ۲۴ فی صدی تھا'' (۲۰۰۶ء)۔ ہفنگٹن پوسٹ کے ایک تجزیے کے مطابق ''ہر چوتھا برطانوی باشندہ مسلمانوں کو ناقابلِ اعتبار گردانتا ہے اور سمجھتا ہے کہ ملک ان کے بغیر ہی بہتر رہے گا'' (۲۰۱۳ء)۔ اور آخری نکتہ یہ کہ عرب-امریکن انسٹی ٹیوٹ کے مطابق ''امریکیوں کے عربوں اور مسلمانوں کے حوالے سے موافق خیالات پر مسلسل منفی رنگ غالب آتا جا رہا ہے، جس کے نتیجے میں ان کے شہری حقوق اور اس کے ساتھ ہی عرب نژاد امریکیوں اور امریکی مسلمانوں کی سیاسی اُمور میں شرکت کو خطرہ لاحق ہو گیا ہے۔ مثال کے طور پر ۲۰۱۰ء میں عربوں کے لیے موافق رائے کا تناسب ۴۳ فی صدی تھا، اور اب یہ تناسب گر کر ۳۲ فی صدی رہ گیا ہے۔ دوسرے مسلمانوں کے لیے یہی تناسب ۲۰۱۰ء میں ۳۶ فی صدی سے کم ہو کر ۲۰۱۴ء کے ایک جائزے کے مطابق ۲۷ فی صدی ہو گیا ہے'' (۲۰۱۴ء)۔

یورپین مانیٹرنگ سنٹر آن ریسزم اینڈ زینوفوبیا (EUMC) نے ایلین نیلسن (۲۰۰۲ء) کی شراکت سے نائن الیون کے بعد یورپین یونین میں تشدّد اور امتیازی سلوک کے واقعات کے حوالے سے ایک تفصیلی تقابلی جائزے کا اہتمام کیا تھا (۲۰۰۲ء، صفحہ ۵)۔ نائن الیون کے بعد اسلاموفوبیا کے عروج کا باعث بننے والے ماقبل حالات کو تسلیم کرتے ہوئے مصنفین اسلام سے خوف کے رجحان میں تیزی سے اضافہ کا کھوج لگاتے ہیں۔ وہ رقم طراز ہوتے ہیں:

مسلمان آبادی والے علاقے اور دوسرے غیر محفوظ طبقات ۱۱ ستمبر کے بعد سے بڑھتی ہوئی مخاصمت کا ہدف بن چکے ہیں۔ عام لوگوں کے اندر بڑھتے ہوئے خوف کے باعث بہت سی یورپین رُکن ریاستوں کے اندر پہلے سے موجود تعصّبات کے ساتھ ہی جارحیت اور خوف و ہراس کو ہوا دینے والے بہت سے واقعات میں شدّت پیدا ہوتی جارہی ہے (۲۰۰۲ء، صفحہ ۵)۔

اس موجودہ تحقیق میں جائزہ لی گئی دوسری رپورٹوں کے برعکس ای یو ایم سی رپورٹ[۱] میں اسلاموفوبیا کو دوام و استحکام عطا کرنے میں مشرق وسطیٰ کے تنازعات کے کردار کو بھی تسلیم کیا گیا ہے (۲۰۰۲ء، صفحہ ۵)۔ مصنفین نے ۱۵ ممالک کی طرف سے تیار کردہ رپورٹوں کا تجزیہ کیا: آسٹریا، بلجیم، ڈنمارک، فن لینڈ، فرانس، جرمنی، یونان، آئرلینڈ، اٹلی، لکسمبرگ، ہالینڈ، پرتگال، سپین، سویڈن اور برطانیہ۔ اس موجودہ تحقیق کا مرکزی نکتہ وہ نتائج ہیں جن کا تعلق براہِ راست نائن الیون کے بعد اسلام کے خوف کی بڑھتی ہوئی لہر سے ہے، یعنی نائن الیون کے بعد مغربی عوام کے رویّے میں تبدیلی سے۔

جہاں تک آسٹریا کا تعلق ہے، مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے عام لوگوں کے رویّے میں کوئی تبدیلی محسوس نہیں کی گئی۔ مصنفین رقم طراز ہوتے ہیں: ''محسوس ہوتا تھا کہ ان واقعات کے فوری بعد تیزی سے اُبھرنے والے شکوک و شبہات کے باعث شروع میں تعصب کی ایک لہر اُٹھی تھی، جس کے بعد حالات تیزی سے معمول پر آ گئے (۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۴)۔ تاہم بلجیم میں عوام کے رویے میں مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے ایک واضح تبدیلی دیکھی گئی۔ مصنفین کے بقول:

امریکہ پر ہونے والے حملوں کے فوری ردّعمل کے طور پر مسلمانوں کے خلاف جارحانہ واقعات کی کوئی خبریں نہیں ملیں، اگرچہ زبانی طور پر تنقید کی بے شمار مثالیں سامنے آئیں۔ نسلی، ثقافتی اور مذہبی اقلیتوں بالخصوص مسلمانوں کے خلاف رویوں میں آنے والی تبدیلی محسوس کی گئی تھی۔ جسمانی جارحیت کی عدم موجودگی کے باوجود مسلمانوں کے خلاف بڑھتی ہوئی عدم برداشت کا مظاہرہ، خاص طور پر برسلز میں دیکھنے میں آیا (۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۵)۔

نائن الیون سے قبل موجود رویّوں کے مسائل کے باعث ڈنمارک کی رپورٹ میں نہ صرف اسلاموفوبیا کی عکاسی کرنے والے رویوں میں خاطر خواہ اضافہ محسوس کیا گیا، بلکہ مسلمانوں کے خلاف تشدّد اور امتیازی سلوک کے بہت سے واقعات بھی سامنے آئے۔ مصنفین مزید رقم طراز ہوتے ہیں:

''امریکہ پر ہونے والے حملوں کے بعد این ایف پی نے ڈنمارک کے اندر مسلمانوں پر زبانی اور جسمانی دونوں قسم کے حملوں کی ایک ڈرامائی اور طویل ہوتی ہوئی لہر محسوس کی، اگرچہ اس کے ساتھ ہی اس میں یہ بیان کیا گیا تھا کہ ڈنمارک کے ذرائع ابلاغ میں پہلے ہی مسلمانوں کے خلاف منفی قسم کے فرسودہ تصورات کی تکرار کی بھرمار نظر آتی تھی۔ روایتی طور پر زبانی تنقید اور جسمانی تشدّد کے واقعات دیکھنے میں آئے، خاص طور پر ان لوگوں کے خلاف جو حلیے سے مسلمان دکھائی دیتے تھے، مثلاً حجاب پہننے والی خواتین۔ اس زمرے میں موت کی دھمکیوں کی خاطر خواہ مثالیں بھی آجاتی تھیں۔ اس کے علاوہ مساجد اور مسلمانوں کی تجارتی املاک کو بھی حملوں کا نشانہ بنایا گیا تھا۔ دیواروں پر نعرے تحریر کرنے، آگ لگانے اور اس کے علاوہ آتشیں بموں کا استعمال بھی دیکھنے میں آیا۔ رائے عامہ کے بے شمار جائزوں میں اس امر کی تصدیق کی گئی کہ ڈنمارک کے عوام کی اکثریت کے خیال میں ۱۱ ستمبر کے حملوں کے بعد ان کا مسلمانوں کے حوالے سے رویہ اور تلخ ہو گیا تھا، جہاں عوام کی اکثریت کی رائے میں مسلمانوں کو ڈنمارک کی جمہوری اقدار کے حوالے سے تدریس کی ضرورت تھی (۲۰۰۲ء، صفحات ۱۵-۱۶)''۔

فن لینڈ ان ممالک کے زمرے میں آجاتا ہے جہاں اسلام اور مسلمانوں کے حوالے سے رویے میں ۱۱ستمبر کے بعد کم سے کم تبدیلی دیکھی گئی۔فن لینڈ میں زیادہ تر ایسے واقعات کا مشاہدہ اور تذکرہ سننے میں آیا جو کہ اس لباس کے حوالے سے رونما ہوئے جو مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممتاز کرتا ہے۔اس حوالے سے مصنفین یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

''این ایف پی کی طرف سے جارحانہ رویوں یا کارروائیوں میں واضح طور پر بہت کم تبدیلی دیکھنے میں آئی، اگرچہ وہ مسلمان جو کہ مقامی باشندوں سے مختلف دکھائی دیتے تھے، اُنہیں کچھ فرق محسوس ہوا اور وہ زبانی منفی تنقید اور تعصب کا پہلے سے کہیں بڑھ کر ہدف بنتے نظر آتے تھے۔کام کی جگہوں اور گلیوں یا سڑکوں پر تذلیل کے اکا دُکا واقعات دیکھنے میں آئے۔مسلمانوں کی مختلف پہچان کا تصور ان خواتین کے حوالے سے واضح نظر آتا تھا جنہیں حجاب کی وجہ سے بدتمیزی کا ہدف بنایا گیا تھا (۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۷)''۔

دلچسپ طور پر فن لینڈ میں نائن الیون کے بعد مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے غیر معمولی حمایت کا مظاہرہ دیکھا گیا۔ذرائع ابلاغ، سرکاری اداروں اور عوامی سطح پر کی جانے والی کوششوں کا مقصد یہ تھا کہ زینوفوبیا یا اجنبیوں کے خوف کی عمومی اور اسلاموفوبیا کی خصوصی طور پر تمام شکلوں کا سدّ باب کیا جائے۔مصنفین نے مزید اظہارِ خیال یوں کیا:

''فن لینڈ میں ذرائع ابلاغ نے مسلمانوں اور دیگر مذہبی اقلیتوں کے حوالے سے ذمہ دارانہ طرزِ عمل کا مظاہرہ کیا۔مسلمانوں کو اظہارِ خیال کے لیے بہت سے اداروں میں مذاکروں سے خطاب کے مواقع فراہم کیے گئے اور ہیلسنجن سنومات (Helsingin Sanomat) میں نسل پرستی کے خلاف اور اجنبیوں کے خوف کے سدّ باب کے حوالے سے بہت مؤثر قسم کا پیغام جاری کیا گیا۔اس کے علاوہ اخبار کا مطالعہ کرنے والے نوجوانوں کی تعداد میں بھی اضافہ دیکھا گیا۔اسلام کے حوالے سے مزید معلومات فراہم کرنے کا مطالبہ بھی عوامی شکل اختیار کر گیا اور ساتھ ہی اس موضوع پر ادبی

مواد کی فروخت میں ڈرامائی اضافہ دیکھنے میں آیا (۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۷)۔

آسٹریا کی رپورٹ سے ملتی جلتی فرانس سے آنے والی رپورٹ سے بھی ''مسلمانوں اور عربی نژادلوگوں، خاص طور پر شمالی افریقی، حجاب پہننے والی خواتین، داڑھی والے مردوں'' کے خلاف بڑھتے ہوئے شکوک وشبہات کا واضح تأثر ملتا ہے (۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۸)۔ جرمنی میں ''عوامی سطح پر رویوں میں تبدیلی ایسی جگہوں پر دیکھنے میں آئی جہاں حلیے سے غیر جرمن نظر آنے والے باشندوں کے حوالے سے رویے تیزی سے منفی شکل اختیار کر گئے تھے'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۱۹)۔ دلچسپ نکتہ یہ ہے کہ یونان سے ملنے والی رپورٹ میں مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے اسلام خوفی پر مبنی رویوں یا تشدّد اور امتیازی سلوک کے واقعات میں کوئی اضافہ نہیں دکھایا گیا (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۰)۔

ملکی سطح کی ان رپورٹوں میں اس اسلامی لباس کے حوالے سے مشترک عنصر پایا جاتا ہے جو کہ مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممتاز کرتا ہے۔ مثال کے طور پر آئرلینڈ کی رپورٹ کے مطابق ''اس طرح کے واقعات زیادہ تر اُن افراد اور تنظیموں تک محدود تھے جو یا تو مسلمان یا پھر عرب نژاد نظر آتے تھے، جن کا ہدف حلیے سے مسلمان نظر آنے والی خواتین، پناہ حاصل کرنے کے خواہاں، یا پھر محدود تعداد میں موجود سکھ مذہب کے پیروکار تھے'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۱)۔ اسی طرح سے اٹلی میں ''رویّے کے اندر ایک نمایاں تبدیلی دیکھنے میں آئی۔--- تارکینِ وطن اور پناہ کے خواہاں افراد اور اس کے ساتھ ہی عرب نژادلوگوں کے حوالے سے'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۲)۔ اہم نکتہ یہ ہے کہ لکسمبرگ کی رپورٹ میں مسلمانوں کے ''آبادی کے وسیع تر طبقے کے اندر'' ضم ہو جانے کو اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تشدّد اور امتیازی سلوک کے واقعات میں کمی کی ایک وجہ گردانا گیا ہے۔ رپورٹ تیار کرنے والے لکھتے ہیں:

''لکسمبرگ این ایف پی اس امر کو تسلیم کرتی ہے کہ اس طرح کے جذبات کے اظہار کی مثالوں کے فقدان کی ایک اہم وجہ وہ انداز تھا جس کو اپناتے ہوئے مسلمان آبادی نے خود کو وسیع تر معاشرے کا بخوبی جزو بنالیا تھا، اور یہ کہ اسلام کے حوالے سے شناخت کے قابل بہت کم افراد/ ادارے نظر آتے

ہیں۔نہ تو کوئی مسجد نظر آتی ہے اور نہ ہی کوئی حجاب پہنتی ہوئی عورت'' (۲۰۰۲ء، صفحات ۲۳-۲۴)۔

دوسری طرف ہالینڈ کی رپورٹ، جو کہ دوسرے ممالک کی رپورٹوں سے مطابقت کی حامل ہے، مسلمانوں اور اسلام کے حوالے سے تشدّد اور امتیازی سلوک کی کارروائیوں کے محرک کے طور پر اسلامی لباس کے کردار پر زور دیتی ہے۔ مصنفین کے بقول، ''زبانی تنقید، بدکلامی اور معاندانہ برتاؤ کی سب سے زیادہ مثالیں ان مسلمان نظر آنے والی خواتین کے حوالے سے سامنے آئیں جو خاص طور پر حجاب اوڑھتی نظر آتی تھیں، اور سب سے نمایاں ہدف بھی غالباً انہیں بنایا گیا تھا'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۴)۔ اور جو رپورٹ شاید سب سے زیادہ فن لینڈ کی رپورٹ سے مماثلت رکھتی ہے وہ پرتگال کی رپورٹ ہے، جہاں پر مجموعی طور پر مسلمانوں اور غیر مسلموں کے درمیان ایک مصالحت کی فضا نمایاں تھی'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۶)۔

سپین میں نائن الیون کے فوری بعد اسلام کے خوف پر مبنی کسی قسم کے ردّعمل کا فوراً اظہار نہیں کیا گیا تھا، اگرچہ کچھ عرصے کے بعد ''مسلمانوں کے حوالے سے رویّے میں تبدیلی کا مظاہرہ عام افراد کے 'سڑکوں پر ہونے والے مباحث' میں دیکھنے آیا'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۶)۔ تاہم اس حوالے سے کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ان رویوں کے پس پردہ نائن الیون کا محرک کس حد تک کارفرما تھا اور یہ کس حد تک پہلے ہی سے معاشرے کے اندر موجود تھے۔ اس لیے مصنف لکھتا ہے:

''مسلمان مخالف جذبات کے اظہار کا زیادہ تر ہدف مراکشی نژاد لوگ تھے، جن کی بنیاد ایک گہرا اور پہلے سے موجود نسلی بیگانہ خوفی کا وہ عنصر تھا جو کہ ۱۱ ستمبر کے حملوں سے بہت پہلے ظاہر ہو چکا تھا۔ جو لوگ مسلمان ''نظر آتے'' تھے ان کو بھی شدید امتیازی سلوک کا نشانہ بنایا جاتا تھا اور نقل مکانی اور پناہ کے خواہاں افراد کے معاملات کو اس سارے مباحثے میں اُلجھا کر رکھ دیا جاتا تھا'' (۲۰۰۲ء، صفحات ۲۶-۲۷)۔

آئرلینڈ اور پرتگال سے مماثلت رکھنے والی ایک رپورٹ کے حوالے سے مصنفین سویڈن کی

رپورٹ پیش کرتے ہیں، جس کے مطابق ''مسلمان عورتیں اور اسکول کے بچے اور ان کے ساتھ ہی مساجد بھی انتہائی واضح اہداف بن گئے'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۸)۔ آخری رپورٹ برطانیہ کی ہے جس میں مسلمانوں اور اسلامی اداروں کے خلاف تشدّد کے بڑھتے ہوئے واقعات کے ساتھ ہی ایک ایسے رجحان کا اظہار کیا گیا ہے جو کہ ملکی سطح کی ان دوسری رپورٹوں میں عیاں کیے گئے اس رجحان سے مماثلت رکھتا ہے جو عموماً مسلمانوں کو غیر مسلموں سے الگ شناخت دینے والے لباس کے حوالے سے پایا جاتا ہے۔ اس حوالے سے مصنفین یوں رقم طراز ہوتے ہیں:

''نائن الیون کے فوری ردّعمل کے طور پر ذرائع ابلاغ کے ایک وسیع تر سلسلے کے ذریعے مسلمانوں پر حملوں میں خاطر خواہ اضافے کی خبریں جاری کی جانے لگیں۔ پُرتشدّد حملوں، زبانی بدکلامی اور ملکیتوں پر حملے کی بہت سی مثالیں سامنے آگئیں، جن میں سے بعض انتہائی سنجیدہ نوعیت کی تھیں۔ حجاب اوڑھنے والی مسلمان خواتین کو آسانی سے شناخت کرلیا جاتا اور زبانی تنقید و بدکلامی کا جگہ جگہ نشانہ بنایا جاتا ہے، ان پر تھوک دیا جاتا، ان کا حجاب تار تار کردیا جاتا اور جسمانی تشدّد کا نشانہ بنایا جاتا۔ اسی طرح ملک کے اندر بہت سی مشہور مسجدوں کو بھی حملوں کی زد میں لایا گیا، جن میں توڑ پھوڑ، دیواروں پر نعرے لکھنے کے واقعات سے لے کر آگ لگا دینے اور آتشیں بم پھینک دینے تک کی کارروائیاں شامل ہیں۔ دھمکیاں دینے اور واضح طور پر اسلام کے خوف پر مبنی پیغامات بھی وسیع پیمانے پر بذریعہ ای میل، ٹیلی فون کالز اور گمنام خطوط ہر طرف گردش کرنے لگے۔ گاڑیوں کی ونڈ سکرینوں پر دھمکی آمیز پیغامات کا مشاہدہ بھی کیا گیا۔ سکھ لوگ بھی خود کو ایک اہم ہدف محسوس کرنے لگے'' (۲۰۰۲ء، صفحہ ۲۹)۔

برطانیہ کی رپورٹ واضح طور پر انتہائی ڈرامائی اور پُرتشدّد ردّعمل کی نشان دہی کرتی نظر آتی ہے، جو کہ نائن الیون کے بعد اسلاموفوبیا کے نتیجے کے طور پر رونما ہوا تھا۔ اگرچہ ملکی سطح کی بہت سی رپورٹیں، مثال کے طور پر سپین کی صورتِ حال پر، نائن الیون کے بعد اسلام کے خوف میں اضافے

کے پس پردہ پہلے سے موجود رویّوں کی اہمیت پر اصرار کرتی نظر آتی ہیں، تاہم اکثر رپورٹوں میں سب سے زیادہ جس مشترکہ اہم عنصر پر زور دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ نائن الیون کے فوراً بعد مسلمانوں اور اسلامی اداروں کے خلاف اسلاموفوبیا کے حوالے سے رویّوں کے عکاس واقعات میں اضافے کا محرک دراصل فوری طور پر قابل شناخت وہ اسلامی لباس ہے جو عام طور پر مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممتاز کرتا ہے۔

تجزیہ اور نتائج

اس تحقیق کا اہم مقصد یہ تھا کہ نائن الیون کے بعد مغربی عوام کے رویّوں سے ظاہر ہونے والے اسلاموفوبیا کے رجحانات کی شناخت اس امکان کا تجزیہ کرکے کی جائے کہ اس طرح کے رویّے پہلے سے ہی رواج پا چکے تھے جو کہ اسلاموفوبیا میں اضافے کے ذمہ دار تھے، اور اس کے ساتھ ہی اس کے چند ایک سرسری عوامل کا بھی۔ مقداری اور معیاری تجزیے کے نتیجے میں بنیادی معلومات (data) میں دو اہم عوامل سامنے آتے ہیں: (۱) مسلمانوں اور اسلامی اداروں کے خلاف تشدّد اور امتیازی سلوک کے واقعات کو ہوا دینے میں اسلامی طرز کے اس لباس کا کردار جو کہ عموماً مسلمانوں کو غیر مسلموں سے ممتاز کرتا ہے، اور (۲) ایک عشرے سے زائد عرصے کے بعد بھی اسلام کے خوف پر مبنی طرز عمل/ رویّے میں بتدریج اضافہ۔ یوں اس تحقیق میں اختیار کیے گئے اس مفروضے کی نفی کہ حالیہ عرصے کی تازہ ترین عوامی رائے شماری سے حاصل ہونے والی بنیادی معلومات سے اسلام کے خوف پر مبنی رویّوں میں کمی ظاہر ہوتی ہے، بلاشبہ نائن الیون کے المناک واقعات نہ صرف فوری ردّعمل کی صورت میں اسلام کے خوف پر مبنی رویّوں میں تیزی سے اضافے کا محرک ثابت ہوئے بلکہ ابھی تک مسلمانوں اور اسلامی اداروں کو درپیش تشدّد اور امتیازی سلوک کی کارروائیوں کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ اس تحقیق کے نتائج اس امر کی ضرورت کو عیاں کرتے ہیں کہ مشاہدے پر مبنی تحقیق کا کام جاری رکھا جائے، تاکہ اسلاموفوبیا کے آئندہ کے رجحانات کا سراغ لگایا جاسکے۔ مصنف کو یہ اُمید ہے کہ

مستقبل کے حوالے سے کی جانے والی تحقیق موجودہ تحقیق کے مفروضے کی نفی کرنے کی بجائے اسلاموفوبیا کے رجحانات میں عالمی سطح پر تیزی سے کمی کو ظاہر کر کے اس کی تصدیق کرے گی۔

(ترجمہ: اعزاز باقر)

Source: Basem Al Atom, "Examining the Trends of Islamophobia-Western Public Attitudes Since 9-11", Studies in Sociology of Science, V5, No.3, 2014.

.....حاشیہ.....

۱۔ اس تحقیق کا اہتمام یورپین مانیٹرنگ سنٹر آن ریسزم اینڈ زینوفوبیا (EUMC) کے ایماء پر کیا گیا ہے۔ مصنفین کی جانب سے ظاہر کی جانے والی آراء ضروری نہیں کہ ای یو ایم سی کے موقف کی عکاسی کرتی ہوں۔